not

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر علی محسن صدیقی ☆

طلوعِ آفتابِ رسالت

﴿سیرتِ طیبہ بعثت سے ہجرت تک﴾

۱۔ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کے حالات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی اخلاقی و مذہبی حالت ناگفتہ بہ اور حد درجہ خراب تھی، تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدے کا کہیں وجود نہ تھا، توحید کی روشنی کو شرک کی چیرہ دستیوں نے یکسر گل کر دیا تھا، آفتاب ہدایت گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چھپا ہوا تھا اور ظلمت و ضلالت کی اندھیاری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی، اخلاق انسانی پستی کی آخری حد تک پہنچ گئے تھے، نیکی برباد اور برائی آباد تھی، طبقاتی تقسیم نے آدمی کو مختلف خانوں میں بانٹ دیا تھا، ایک گروہ کہ امراء و روساء اور زور آوروں پر مشتمل تھا زندگی کی ہر جائز و ناجائز لذت سے بہرہ اندوز اور شاد کام تھا، جبکہ دوسرا کہ بڑی تعداد انہیں کی تھی، جسم و جان کے رشتے کو جوڑنے اور قوت لایموت کی فراہمی میں بھی ناکام تھا، ظلم و جور انسانی معاشرے کی روح اور زور زبردستی سماج کا رائج قانون تھا، انسان استحصال کا صید زبوں اور استعمار کا بندۂ بے دام تھا، شرف انسانی کچھ تو زبردستوں کی چیرہ دستیوں سے مجروح تھا اور کچھ جھوٹے مدعیان مذہب کے معبودان باطل کے آگے سربجود ہو کر پامال تھا، آدمی نے اپنے ہی اوہام کو اپنا خالق، مالک اور حاجت روا بنا لیا تھا، عناصر قدرت تو آدمی کی خدمت کے لئے وجود میں آئے تھے، آدمی ذہنی و روحانی پستی کے سبب انہیں کے آگے جھک گیا تھا، وہی جو اس کے خادم تھے، اس کے مخدوم بن گئے تھے اور وہی جو اس کے

☆ سابق استاد شعبہ معارف اسلامی و تاریخ اسلام، جامعہ کراچی، کراچی

تابع و مطیع کئے گئے وہ انہیں کا متبوع ہوگیا تھا اور وہی اس کے مطاع بن گئے تھے، غرض ظہورِ قدسی کے وقت دنیا کی جو حالت تھی اس کا نقشہ قرآن نے یوں کھینچا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ۔ (۱)

خود لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد پھیل گیا ۔

عہد زیر نظر کی متمدن اقوام میں فارس کے مجوسی اور روم کے مسیحی نہایت نمایاں تھے، اسی طرح مذہب کے لحاظ سے ہندوستان کا ہندومت اور شرق اوسط کا مذہب یہود بھی قابل ذکر تھا۔ اس لئے اس تمہید کے بعد ہم فارس، روم و ہندوستان کے اُن حالات پر نظر ڈالیں گے جو بعثت نبوی ﷺ کے وقت ان کے تھے اور ساتھ ہی یہودیت کی شکستہ پائی و پراگندگی ذہن کا بھی جائزہ لیں گے ۔

مجوسی فارس کے حالات:

فارس کی عظیم سلطنت عربوں کے پڑوس میں تھی ظہور اسلام کے وقت عرب کے ساحلوں اور یمن پر اس کی حکمرانی تھی، عراق اسی کے زیر نگیں تھا، جہاں عربوں کے متعدد قبائل سکونت پذیر تھے اور جن کے ایرانی ماتحت حکمران عربوں کے نزدیک بڑے صاحب شان و شوکت تھے، فارس کا سرکاری مذہب مجوسیت یا آتش پرستی شمالی عرب کے بعض قبائل مثلاً بنوتمیم میں برگ و بار پا چکا تھا، مجوسیت کے ساتھ عراق و جزیرہ کے صابیوں کے اثر سے اہل فارس میں ستارہ پرستی کو بھی بڑا فروغ ہوا تھا، اس کے علاوہ عیسائیت نے بھی سرزمین فارس میں قدم جمانا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان سے نکلا ہوا دھرم بدھ مت ہر چند کہ اپنی ہی سرزمین میں غریب الوطن اور اجنبی ہوگیا تھا مگر سلطنت فارس کے مشرقی حصوں خصوصاً خراسان ماوراء النہر اور تخاریہ میں ایک مستقل قوت اور دستور حیات کے بطور زندہ و تابندہ تھا، دنیوی لذتوں سے حظ اندوزی اور شراب و شاہد سے تمتع کی بڑھتی ہوئی خواہش نے اباحیت کو جنم دیا تھا اور ظہور اسلام سے کچھ ہی پہلے مزدک کے افکار نے اباحیت کو اس قدر قوت بخش دی تھی کہ زن، زر اور زمین کے عمومی حق انتفاع کی آڑ میں سارا معاشرہ مادر پدر آزاد ہوگیا تھا، خود ساسانی حکمراں قباد اس حمام میں ننگ دھڑنگ نظر آنے لگا تھا اور نوشیرواں کہ عادل کہلاتا ہے لاکھوں مزدکیوں کے بے جنگ و جدل خون بہانے کے ظلم میں ملوث ہے، ساسانیوں کی شان و شوکت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا تھا اور بعثت نبوی ﷺ کے بعد ہی خسرو پرویز کی فتح مندیوں کے جشن مدائن اور ایوان کسریٰ میں منائے جا رہے تھے مگر پھر اسے زوال ہوا اور

شوکت عجم پت جھڑ میں گرنے والے پتوں کی طرح باد خزاں کے جھونکوں میں اڑ گئی اور نہایت ہی قلیل مدت میں حسب روایت امام ابن قتیبہ ان کے نو حکمراں تخت نشین ہوئے اور پھر تختۂ دار پر کھینچے گئے اور فارس کی عظیم سلطنت شکست و ریخت کے عمل سے دو چار ہو کر صفحۂ ہستی سے ایسی نیست و نابود ہوئی کہ آج قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی ہے۔

فارس، کا معاشرہ انحطاط پذیر اور اخلاقی پستی کا آئینہ دار تھا۔ مذہب مجوس کی رو سے باپ بیٹی سے شادی کر سکتا تھا مزدک کی اباحیت کے زیر اثر عورت کسی مرد کی بیوی نہ تھی بلکہ اس ہم بستری کا حق ہر فرد کو تھا، خرم دینی زندگی کو سطحی مسرتوں اور جنسی تسکین کے حصول تک محدود سمجھتے تھے، غرض معاشرہ شتر بے مہار کی طرح آوارہ و پراگندہ تھا، اور اخلاق عالیہ نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ گئی تھی۔

مرزبان (مقامی حکام) دہقان اور دہ خدا ملک کی زرعی اراضی کے مالک اور اس کی زرخیزی سے بہرا مندو زہونے کے واحد حق دار تھے جبکہ روستائی (کسان) اور اکّاد (مزدور) محض محنت بے مزد اور مشقت بے حاصل کے لئے وقف تھے۔ ان مراعات یافتہ لوگوں میں مذہبی رہنما کہ موبذ و موبذان کہلاتے تھے، طبقہ دہاقین و مرازبہ کے ہم مشرب خیال کئے جاتے تھے، غرض زمانہ بعثت محمدی سے قریب کی سلطنت فارس کہ عراق، فارس، سواحل عرب، جبال، خراسان، جستان و زابلستان و ماوراء النہر پر اقتدار رکھتی تھی، انسانیت سے فروتر اور پست تھی۔ (۲)

عیسائی روم کے حالات:

عربوں کی دوسری پڑوس سلطنت رومیوں کی تھی جسے مشرقی سلطنت روما اور بازنطینی سلطنت بھی کہا جاتا ہے، ظہور اسلام اور بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سلطنت روما کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا، رومیوں کے اثرات عرب کی شمالی سرحد پر بسنے والے قبائل پر بہت تھے، بصریٰ کے مقام پر غسانی عیسائیوں کی سلطنت جو اسلام کے اولین دور میں موجود تھی، انہیں رومیوں کی اطاعت گزار اور ماتحت تھی، مگر آغاز اسلام کے وقت اس سلطنت کا شیرازہ بکھرنے کے قریب تھا اور اس کی حیثیت مریض نیم جان کی تھی، جب رومی سلطنت کے مشرقی بازو کے شہنشاہ قسطنطین اعظم نے عیسائیت اختیار کر لی اور یہ مذہب حکومت کا سرکاری دین قرار پایا تو یہ وہ مذہب نہ تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا بلکہ پال نامی ایک نو عیسائی یہودی کی تحریف و دسیسہ کاری کا ایک مجموعہ تھا جسے عیسائیت کے نام

not

سے متعارف کرایا گیا تھا، قسطنطین اعظم نے عیسائیت اپنی سیاسی مصلحت کی وجہ سے اختیار کی تھی چنانچہ ہرنئی صورت حال سے وہ مفاہمت کرتا اور نئے عقائد کو عیسائیت میں داخل کرتا رہا، قسطنطین اعظم کے بعد اس کے جانشینوں کی نا اہلی سے حکومت میں روز بروز انتشار پھیلتا گیا، امرا کی ہوس اقتدار اور نا چاقی سے فوج کم زور ہوتی گئی، اور ملک کے تمام صوبے لاقانونیت کی زد میں آگئے، اس پر مستزاد یہ کہ فارس کی سلطنت سے اس کے غیر مختتم سلسلہ ہائے جنگ شروع ہوگئے اور اس سے رہی سہی کسر بھی پوری ہوگئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند سال بعد ہی سلطنت روما ئے شرقی یا بازنطین زوال کے آخری کنارے پر پہنچ گئی۔

سیاسی ابتری کے ساتھ ساتھ مذہبی حالات بھی حد درجہ ابتر تھے، رعایا کا ایک معتد بہ گروہ عیسائی نہیں تھا، وہ بت پرستی اور ستارہ پرستی میں بدستور مشغول تھا، جن لوگوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی جو ملک کا سرکاری مذہب تھا ان کی حالت بھی قابل رشک نہ تھی یہ عیسائی باپ، بیٹے اور روح القدس کی خدائی یعنی تثلیث کے معتقد تھے، ان میں بیسیوں فرقے پیدا ہوگئے تھے جن کے درمیان اختلافات زبانی مناظرے سے بڑھ کر جدال وقتال تک پہنچ گئے تھے اور یہ قتل وخون ریزی عام تھی، پادریوں کے گروپ اپنے مخالف فرقے کے عیسائیوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ تہ تیغ کر دیتے تھے، پادریوں نے اپنے مذہبی منصب کو حصول جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے لیا تھا، اس مذہبی عدم رواداری کا نتیجہ تھا کہ وہ عیسائی فرقے یعنی یعقوبی، مارونی اور نسطوری جو سرکاری مذہب سے الگ تھے، اپنی جان بچانے اور پناہ ڈھونڈنے کی غرض سے دور دراز علاقوں میں چھپتے پھرتے اور پھر بھی جان کی امان اور عبادت کی آزادی نہ میسر آتی تھی، یوں تیسری صدی سے ساتویں صدی عیسوی تک عیسائیت کی جو حالت تھی وہ اس کے لئے باعث شرم تھی، مشرکانہ رسوم نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، اصل رومی بت پرستانہ عقائد نے عیسائیت کا روپ دھار لیا تھا، قبر پرستی عام ہوگئی تھی اور ہر بڑے پادری سے اس کی موت کے بعد دعا مانگی جاتی تھی، شام میں جو بڑے پادری اور بطریق تھے ان کے معتقدین انہیں سجدے کرتے تھے، حتی کہ مسیح، مریم، روح القدس اور حواریئن اور عیسائیت کے دیگر اساطین کے مجسمے بنا کر ان کی پرستش بکثرت کی جانے لگی تھی، چنانچہ قریش مکہ نے خود خانہ کعبہ میں پرستش کی غرض سے حضرت مریمؑ کی تصویر لگا رکھی تھی۔

بادشاہوں اور پادریوں کے اخلاق کا پرتو عام رعایا اور پیرووں پر بھی پڑا، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی، فضول خرچی اور ہوس پرستی مسیحی دنیا کی آب وہوا میں سرایت کر گئیں، لوگ ہر طرح کے ناجائز وسائل سے روپیہ کماتے اور نہایت بے دردی سے اپنی مسرفانہ عیاشیوں اور ہوس پرستیوں میں لٹاتے تھے،

پادریوں نے اوران کے بعد درجہ بدرجہ مذہبی عہدہ داروں نے اپنی اپنی جگہ شاہانہ بلکہ خدائی کے اختیار اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے، جو وہ زمین پر کھولتے تھے وہ آسمان پر کھولا جاتا تھا اور جو وہ یہاں بند کرتے تھے وہ وہاں بھی بند ہو جاتا تھا، قرآن مجید نے ان کی اس حالت کا ذکر اس آیت میں کیا۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳)

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

ہندوستان کے ابتر مذہبی و معاشرتی حالات:

ہندوستان (برعظیم پاک و ہند) کا شمار ان متمدن ملکوں میں ہوتا تھا، جہاں ظہورِ اسلام کے زمانے میں ایک منظم و مرتب مذہب یا دھرم موجود تھا، مگر اس کی روح مر چکی تھی، اور قالب بے جان تھا، ہندوستان کے تمدن کے پانچ ادوار کئے گئے ہیں، ایک اصلی ہندو ویدک عہد جو دو ہزار سال قبل مسیح سے چودہ سو سال قبل مسیح تک رہا، دوسرا دورِ جنگ یعنی کوروں اور پانڈوں کی یدھ کا دور جو چودہ سو سال قبل مسیح سے ایک ہزار سال قبل مسیح تک رہا، تیسرا دورِ عقلیت، جس میں حکما اور اربابِ عقل کا دور دورہ تھا اور جو ایک ہزار قبل مسیح سے تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا، چوتھا دورِ بدھ ہے جس میں بدھ مت کو فروغ ہوا، یہ دور دو سو پچاس قبل مسیح سے شروع ہو کر پانچویں صدی عیسوی پر ختم ہوا، پانچواں دور پرانوں کا عہد ہے جس میں ویدوں اور گوتم بدھ کی تعلیمات کے بجائے پرانوں کی تلقین پر عمل درآمد کیا گیا، یہ دور پانچویں صدی عیسوی کے اواخر سے شروع ہو کر برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد تک قائم رہا، یہی آخری دور ہماری گفتگو کا موضوع ہے۔

ہندوستان کے تمدن کا یہ پانچواں اور آخری دورِ تاریخ میں سب سے زیادہ تاریک اور مجموعۂ نقائص ہے، یہ دور جو تقریباً ۵۰۰ عیسوی سے شروع ہوتا ہے اس کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل تھیں:

۱۔ شرک جو اہل ہند کا مرغوب ترین دین تھا، اس دور میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا، اور دیوتاؤں کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچی،

۲۔ ویدک عہد میں بت پرستی کا رواج نہ تھا جبکہ اس عہد میں مندر بتوں کے منڈپ بن گئے اور بت پرستی عام ہو گئی۔

۳۔ مندروں کے پروہت اور پجاری (برہمن) حد درجہ بداخلاق ہو گئے اور ناواقفوں کو مذہب

کے نام پر خوب لوٹتے تھے۔

۴۔ ویدک عہد میں ہندوؤں میں طبقاتی اونچ نیچ نہ تھی، مگر اب ذات پات کی تفریق شروع ہوگئی جو سماج کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی۔

۵۔ عورتوں کی محکومیت کا سلسلہ شروع ہوا کہ وہ داسیاں اور باندیاں بنائی گئیں اور سماج میں انہیں کوئی حیثیت حاصل نہ رہی۔

۶۔ اس عہد میں سماج میں طبقاتی منافرت میں اضافہ ہوا اور جو طبقات گھڑے گئے ان میں ایسی پابندیاں لگادی گئیں کہ ایک طبقے کے افراد کا دوسرے طبقے میں پہنچ جانا ناممکن ہوگیا، اس ظالمانہ طبقاتی سماج میں جو قوانین بنائے گئے وہ بھی حد درجہ ظالمانہ تھے، مثلاً:

(الف)۔ برہمن کو جو سماج کا سب سے اوپری طبقہ تھا، کسی حالت میں موت کی سزا نہیں دی جاسکتی تھیں۔

(ب)۔ اونچی جاتی کے مرد کا کسی نیچ جات کی عورت سے زنا کرنا کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(ج)۔ اگر کسی نیچ جات کی بودھ راہبہ سے بھی کوئی اونچی جات کا مرد زنا کرے تو اسے صرف معمولی جرمانے کی سزا دی جاتی تھی،

(د)۔ اگر کوئی شودر (اچھوت) کسی اعلیٰ ذات (برہمن یا چھتری) کے آدمی کو چھولے تو اس جرم کی سزا موت تھی۔

(ہ)۔ اگر کوئی نیچ ذات والا کسی اونچی ذات والے کو مارے تو اس مارنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا، اگر گالی دے تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی اور اگر اسے کچھ سکھانے کا جتن کرے تو اس کے منہ میں گرم تیل ڈال دیا جاتا تھا۔

۷۔ راجاؤں اور سرداروں کے محلوں میں شراب نوشی عام تھی حتیٰ کہ رانیاں بھی شراب کے نشے میں دھت ہوتی تھیں۔

۸۔ راستے غیر محفوظ تھے، شاہراہوں پر جرائم پیشہ افراد کے ٹھٹ لگے رہتے تھے، اور شریف آدمی کا وہاں سے گزرنا مشکل ہوتا تھا۔

۹۔ ایشور کو بستیوں اور آبادیوں کے بجائے بنوں، پہاڑوں اور آدمی کی پہنچ سے دور گپھاؤں میں تلاش کیا جاتا تھا، ترکِ دنیا، تپسیا، تیاگ اور جوگ روحانی کمال ٹھہرا تھا اور جسم و جان کو سخت سے سخت

not

اذیت دے کر آتما کو شانت اور پرماتما کو پرسن کیا جاتا تھا، گویا دنیا مقام معصیت اور یہاں کی زندگی مایۂ کلفت ٹھہری جس سے نجات حاصل کئے بغیر نجات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۱۰۔ اوہام اور فاسد خیالات مذہب قرار پائے، بھوت، پریت اور چڑیلیں معبود ٹھہریں کہ ان میں سے ہر ایک کی خوشنودی کے لئے اس کی پوجا کی جاتی اس کے گیت گائے جاتے اور بھجن مزامیر کے ساتھ جزو عبادت وباعث تطہیر روح سمجھے گئے۔

۱۱۔ عناصر قدرت کہ انسان کے لئے مسخر کئے گئے ہیں اور آدمی کے خدمت گار بنائے گئے ہیں، ہندو دھرم کی اوہام پرستی کے ہاتھوں آدمی کے معبود، مسجود اور رب الارباب قرار پائے اور یوں آدمی لا انتہا آقاؤں کے حضور جھک گیا جو شرف آدمیت کی صریح نفی تھی۔ آگ، دریا، پربت، جانور، کیڑے مکوڑے، درخت اور ایسی ہی دوسری بے طاقت و بے بس موجودات دیوتا بن گئیں ان کی تقدیس میں بھجن لکھے گئے، گیت گائے گئے اور آدمی پر ان کے تفوق و بالا دستی کو بے چوں وچرا تسلیم کر لیا گیا۔

فاسد عقائد اور باطل افکار کے نتیجے میں جو معاشرہ وجود میں آیا، وہ ناانصافی وظلم کا آئینہ دار تھا، طبقاتی تقسیم نے ایک بڑی تعداد کو عام انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا تھا اور جو مراعات یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے تھے، لوٹ کھسوٹ، زنا، جوا اور شراب ان کی ہوس پرستیوں کے لئے جائز ومباح تھے، عورت انسانیت کے مقام سے پست تر تھی، اسے جوئے میں ہارا جا سکتا تھا، شوہر کے مرجانے پر اسے ستی ہونا پڑتا تھا ورنہ بیوگی کی دکھ بھری زندگی گزارنا اور سماج کی گندا اور کالکھ بن کر سسک سسک کر جینا پڑتا تھا، ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے اسی طرح ایک مرد کی سینکڑوں بیویاں بھی ہوتی تھیں مگر عموماً یہ رعایت راجہ مہاراجہ اور رسا ذنتوں کے لئے ہوتی تھی۔

معاشرے کا سب سے نچلا طبقہ شودر (اچھوت) کہلاتا تھا جو پشت ہا پشت تک حق تلفی کی چکی میں پستا رہتا اور صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسے ہندو سماج میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے، خواہ وہ مذہبی ہو، تمدنی ہو، معاشی ہو یا سیاسی وتعلیمی، معاشرے کی اصل قوت محرکہ برہمن تھے جو برہما کے سر سے تولد ہوئے تھے، انہیں کی فکر سے سوچا جاتا اور انہیں کے قول پر عمل کیا جاتا تھا، کشتری ہندو سماج اور راج نیتی کا بازوئے شمشیر زن تھا برہمنوں نے اسے بادل ناخواستہ یہ سیاسی حقوق دے دیئے تھے، تیسرا طبقہ کرمتوں کا تھا، سماجی ضرورت کی مجبوری کے سبب اسے گوارا کر لیا گیا کہ اس کی مدد کے بغیر زراعت، تجارت،

خدمت اور دیگر سماجی جدوجہد ممکن ہی نہ تھی، قصہ مختصر ہندو دھرم اور ہندو سماج جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں اپنے تمدن کے دور ہجم میں تھا جو دراصل معاشرۂ انسانی کا پست ترین اور تمدن بشری کا تاریک ترین دور تھا، برہمنی چال اور شیطانی افکار کے جال میں پھنسے ہوئے لوگ مجوس فارس ونصاریٰ روم سے بھی زیادہ بدحال تھے۔ (۴)

یہود کا مذہبی اور اخلاقی دیوالیہ پن:

یہود کو یہ شرف حاصل تھا کہ سامی اقوام میں سب سے پہلے انہیں کو وحی الٰہی کی امانت تفویض ہوئی اور ان سے بجا طور پر یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ دنیا کی اصلاح اور دنیا والوں کی فلاح ونجات کی ذمے داری وہی پوری کریں گے مگر یہود نے اپنی دون ہمتی اور نسلی غرور کے سبب اس ذمے داری کو اپنے عہد عروج میں بھی کماحقہ پورا نہیں کیا۔ عہد زیرنظر میں وہ اپنی تاریخ کے بدترین انتشار اور پراگندگی فکرونظر سے دوچار تھے، اس لئے ان سے آدمی کی ہدایت اور نوع انسانی کی اصلاح کی امید رکھنی اور ان کے امام اہل جہاں بننے کا ہر امکان معدوم اور ہر صورت موہوم تھی، یہ یہود عرب سے باہر رومیوں کی حکومت میں ایشیا، یورپ اور افریقہ کے شہروں میں اس طرح منتشر تھے کہ دنیا کی قوموں میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ خود جو یہودی عرب میں زمانۂ قدیم سے آباد تھے ان کا بڑا شغل زراعت وتجارت تھا، وہ سودی کاروبار کرتے تھے اور غریب عرب ان کے قرضوں اور بھاری شرح سود کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، عربوں میں ان کی شہرت کوئی اچھی نہ تھی اور ہرچند کہ وہ یہود کے مالی جال میں پھنسے ہوئے تھے مگر فوجی قوت اور تعداد کی کثرت کے سبب یہ یہودی اپنی مالی وجانی حفاظت کی غرض سے اردگرد کے عرب قبائل سے معاہدہ کرنے اور ان کی بالادستی قبول کرنے پر مجبور تھے اور یوں تہذیب وتمدن میں برتر ہونے، مال و دولت میں قوی ہونے اور الہامی مذہب کے حامل ہونے کے باوجود سرزمین عرب میں ان کی کوئی خاص حیثیت نہ تھی، (۵) اسی طرح جو یہود عرب سے باہر رومیوں کی وسیع سلطنت میں بسے ہوئے تھے، ان کی حیثیت پناہ گزین سے زیادہ نہ تھی، وہ اپنے مرکز سے کٹ چکے تھے، ان کی سیاسی اہمیت ختم ہوچکی تھی اور مال وزر کی طمع اور سودخوری کے باعث ان کے اخلاق پست ہوچکے تھے، اسی کے ساتھ ہی مذہبی اختلافات اور فرقہ بندیوں کا بھی زور تھا اور یہ اختلافات روز بروز بڑھتے ہی جارہے تھے، (۶) اس عہد کے یہودی اخلاقی پستی کا بیان قرآن مجید کی سورۂ البقرہ اور آل عمران میں بار بار آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک

ایک عیب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ملت کا قوام کتنا بگڑ گیا تھا، ان کی سنگ دلی اور بے رحمی کا قرآن میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ (۷)

ان کے دل پتھر کے مانند بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سخت ہیں۔

یہود نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو اذیتیں دیں حتیٰ کہ ان کو قتل کر ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد جتنے انبیاء آئے انھوں نے ان یہود کی سنگدلی کا ماتم کیا اور ان کے حق میں بد دعا کی، قرآن میں اس کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ (۸)

بنی اسرائیل میں سے جنھوں نے کفر کیا، ان پر داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس لئے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے آگے بڑھے تھے۔

الحاصل اگر یہود کے نقائص اور معائب کو مختصر طور سے بیان کیا جائے تو وہ مندرجہ ذیل ہوں گے:

۱۔ ان کو یہ زعم تھا کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور وہ جو بھی کریں ان سے قیامت تک کوئی باز پرس نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ۔ (۹)

(وہ کہتے ہیں) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً۔ (۱۰)

(اور یہود کہتے ہیں کہ) ہم کو دوزخ کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر چند روز۔

۲۔ یہود کا اعتقاد تھا کہ نبوت و رسالت صرف ان کا حق ہے اور بنو اسرائیل کے سوا کسی اور کو یہ منصب نہیں مل سکتا۔

۳۔ ان کے علماء اللہ کے احکام کو اپنی منشا اور دولت مندوں کی خوشنودی کی خاطر بدل دیتے تھے، ارشادِ خداوندی ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ (۱۱)

وہ لفظوں کو اپنی مناسب جگہوں سے ہٹا دیتے اور تحریف کر دیتے ہیں۔

۴۔ یہود میں جو جاہل تھے وہ سہولت اور ضرورت کے تحت بے سرو پا قصوں اور اوہام کے معتقد تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ O (۱۲)

اور جو ان میں بے پڑھے لکھے ہیں اور جن کو کتاب یعنی توراۃ کا علم نہیں ہے لیکن ان کو بناوٹی باتیں معلوم ہیں جو صرف ان کے من گھڑت خیالات ہیں۔

۵۔ یہود کا یہ بھی وتیرہ تھا کہ جن احکام الٰہی کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق پاتے ان پر عمل کرتے اور جنہیں اپنے لئے مضر خیال کرتے پس پشت ڈال دیتے اور ان پر عمل نہ کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ ۢبِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ O (۱۳)

کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہش کے موافق نہ ہوا، تم نے غرور کیا، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو مار ڈالتے ہو۔

۶۔ یہود میں آپس میں سخت اختلافات تھے اور وہ اپنے ہی مذہب والوں کو بے دریغ قتل کرتے تھے، اللہ فرماتا ہے:

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (۱۴)

پھر تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو، ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو۔

۷۔ یہود میں مال و دولت کی طمع، سودی کاروبار اور تجارت میں بدمعاملگی عام تھی، ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا، اور وہ مالی معاملات میں حد درجہ بے ایمان اور خائن تھے، قرآن میں ان کی اس عادت کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا (۱۵)

ان میں ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو ایک دینار بھی امانت رکھنے کے لیے دو، وہ تم کو اس وقت تک واپس نہ کریں گے جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو۔

۸۔ یہود میں مشرکانہ بت پرستی کے بھی اثرات ملتے ہیں اور وہ "جبت" اور "طاغوت" کی پرستش کرتے تھے، اللہ فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ۔(۱٦)

کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، وہ بتوں اور شیطانوں (جبت و طاغوت) پر ایمان رکھتے ہیں

۹۔ عیسائیوں کی نقل میں یہودی بھی حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ (۱۷)

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔

۱۰۔ یہود قساوت قلبی، باطل پرستی اور حق سے مکابرہ میں دنیا کی دوسری تمام قوموں سے بڑھے ہوئے تھے اور وہ بڑے فخر سے کہتے تھے اسلام کی دعوتِ حق کو ہم قبول نہیں کریں گے، وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ "یہود کہتے ہیں کہ ہمارے دل اپنے عقائد میں محفوظ ہیں اور ہم پر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہونے کا"۔(۱۸)

اس گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہود میں دنیا کی امامت و ہدایت کی بالکل صلاحیت نہ تھی اور وہ گمراہ ترین قوم تھی۔

عرب کے مذہبی، معاشرتی و اخلاقی حالات:

عرب قبل الاسلام کے مذہبی، سیاسی، معاشی و معاشرتی حالات کا ہم کسی قدر تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، اس لئے یہاں سلسلۂ بیان کو قائم رکھنے کی غرض سے اس کا صرف اجمالی جائزہ لیں گے، اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ عرب اپنے متمدن پڑوسیوں کی طرح مذہبی گمراہی اور اخلاقی گراوٹ کی جس حد تک پہنچ چکے تھے وہ اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ ان کی اصلاح اور سدھار کے لئے انھیں میں سے ایک نبی مبعوث ہو۔

not

عرب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے زیر اثر اللہ کا اعتقاد موجود تھا، مگر مرور زمانہ کے ساتھ ملت ابراہیمی کے عقائد میں مشرکانہ افکار کی آمیزش ہوگئی اور بتدریج بت پرستی کا چلن ہوگیا۔ اس طرح عربوں کے نزدیک سینکڑوں معبود آدمی کے حاجت روا، مقتدا و پیشوا بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی کبریائی میں اس کے سہیم و شریک ٹھہرے، لیکن ان معبودانِ باطل کو اللہ معبودِ برحق پر ان کے عقیدے کے لحاظ سے ایک طرح کا تفوق حاصل تھا، اور اللہ کے مقرر کردہ حصوں میں وہ ان معبودوں کو حصہ دار ٹھہراتے تھے، مگر ان کے حصے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حصہ نہ ہوتا تھا، شرک عرب کا سب سے پسندیدہ دین تھا اور سینکڑوں بت ان کے معبود تھے، خود خانہ کعبہ کہ اللہ کا گھر اور توحید خالص کا گڑھ تھا بعثت نبوی ﷺ کے وقت تین سو ساٹھ بتوں کا منڈپ بن گیا تھا، اور قریش جو اس کے پروہت تھے، بت پرستی میں اس حد تک غلو کرتے تھے کہ ہر گھر میں خاندان کا پسندیدہ بت ہوتا اور سونے سے پہلے اس کے آگے جھکنا اور ڈنڈوت کرنا بڑے ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔(١٩)

عربوں میں رومیوں کے اثر سے عیسائیت بھی آگئی تھی، آل غسان کہ سرحد شام پر مالک تخت و تاج تھے، نصرانی تھے مگر نصرانیت تحریف کے عمل سے دوچار تثلیث کے پھندے میں اسیر اور شرک کے پنجے میں گرفتار تھی، اس لئے جن قبائل نے عیسائیت قبول کرلی تھی، عیسائیت نے ان کی کچھ اصلاح نہ کی تھی بلکہ انہوں نے عیسائیت کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا، مثلاً قبیلۂ طے جو نصرانی تھا، اپنی سفاکی، اخلاق باختگی اور قتل و غارت گری کے لئے دور دور شہرت رکھتا تھا۔(٢٠) حکومت فارس کے اثر سے بعض قبائل نے مجوسیت کو بھی گلے لگالیا تھا مثلاً بنو تمیم نے لیکن صرف محرمات کے ارتکاب اور ہوائے نفس کی تسکین کی خاطر، بعض عربوں نے یہودیت بھی اختیار کرلی تھی مگر اس سے ان کی سنگ دلی میں اضافہ ہی ہوا تھا مثلاً یمن کے حمیری حکمران تبع ذونواس نے جوش یہودیت میں نجران کے عیسائیوں کو گڑھے کھود کر آگ کے الاؤ جلائے اور ان میں سب کو جھونک دیا، قرآن میں انہیں ظالموں کو اصحاب الاخدود کہا گیا ہے، اسی طرح ستارہ پرستی کہ عراق کا دین قدیم اور عرب بائدہ (عاد و ثمود وغیرہ) کا مذہب تھا، عرب کی سرزمین میں بڑی حد تک مضبوط اور گہری جڑیں رکھتا تھا، یمن کا قصر غمدان انھیں ستاروں کا مندر تھا، سورج (شمس) عربوں کی دیوی اور چاند (قمر) عربوں کا محبوب دیوتا تھا، جن کی بندگی اور غلامی عربوں کے لئے مایۂ افتخار تھی، مردوں کے نام عبد شمس (بندۂ مہر) ہوتے تھے اور قریش کی شریف زادیاں تک اپنے کو بنات الطارق (ستاروں کی بیٹیاں، دختران انجم) کہتی تھیں۔(٢١)

عربوں میں تو ہم پرستی یعنی جن کی خدائی، فرشتوں کی کبریائی (جنہیں وہ اللہ کی بیٹیاں، دختران خدا کہتے تھے) کاہنوں کی ساحری اور سانپوں کی غیر معمولی قوت اور ان جیسی دوسری خرافات عام تھیں، یوں عرب مذہبی پراگندہ خیالی اور آوارہ ذہنی میں اپنے مہذب پڑوسیوں اور ''کتاب والوں'' (اہل کتاب) سے کچھ مختلف نہ تھے۔(۲۲)

اگر چہ عرب کے جنوبی حصے یمن میں مستقل حکومتیں قائم تھیں مثلاً عربوں کے آل سبا و حمیر کی، حبشیوں کے اکسومیوں کی اور فارس کے ابناء کی شام کے سرحدی علاقوں یعنی مشارف شام میں آل غسان کی اور عراق و عرب کی سرحد پر آل منذر کی حکومتیں مگر بحیثیت مجموعی ملک بدنظمی کا شکار تھا اور کوئی ایسی مرکزی حکومت نہ تھی جو عرب ریگستانی، عرب سنگستانی اور عرب نخلستانی میں امن و امان قائم کرتی، اس لئے ملک کا آئین، بے آئینی اور نظم، بدنظمی کا شکار تھا۔ چنانچہ قبائل میں اکثر لڑائیاں ہوتیں جو بسا اوقات محض معمولی سے اشتعال پر چھڑ جایا کرتی تھیں، ان قبائلی جنگوں کو عرب قبل از اسلام کی تاریخ میں ''ایام العرب'' کے نام سے شہرت ملی اور ہر چند کہ اسلام نے آ کر انہیں ختم کیا، مگر دور اموی اور آغاز عہد عباسی میں ان کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی اور پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں اور پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ۔ ان قبائلی جنگوں کے سبب قتل و غارت کے غیر مختتم سلسلے شروع ہو گئے تھے، جن سے عربوں کی معاشرتی و معاشی زندگیاں حد درجہ متاثر ہوئی تھیں، قتل کا بدلہ لینا فرض عین سمجھا جاتا تھا اور پشت ہا پشت تک یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا، اسے ہم ''ثار'' کے نام سے جانتے ہیں جو معاشرے کا ناسور تھا، عرب کی فطرت کی یہ سنگ دلی اس کی سخت انفرادیت اور مرکز گریزی کی صورت میں ظاہر ہوئی جو اجتماعی جدوجہد اور ملی تشخص کے لئے سم قاتل ثابت ہوئی، فارس و روم کی سلطنتوں نے عربوں کی اس پراگندگی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور انہیں آپس میں لڑا کر اور ان کے قبائلی اختلافات کو ہوا دے کر اپنے سرحدی طفیلیوں کے ذریعے اطمینان سے عرب نخلستان پر اپنی چودھراہٹ قائم کئے رہے، حجاز میں آباد یہودیوں نے اس غیر مختتم انتقام کے جذبے کو ابھار کر عربوں کو لڑایا اور خود چین سے بیٹھے رہے۔(۲۳)

شراب نوشی:

اخلاقی خرابیوں اور سماجی برائیوں میں شراب نوشی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، یہ ام الخبائث اس عہد کی دوسری اقوام کی طرح عربوں میں بھی بہت پسندیدہ تھی اور دختر رز کی زلف گرہ گیر

کے اسیر، کبیر صغیر، فقیر و امیر سب ہی تھے، شراب (خمر) کی عمومیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں اس کے لئے ایک سو نام ہیں، عربوں کی محفلوں میں شراب کے دور چلتے اور فاحشہ عورتیں گاتی بجاتی تھیں، لوگ اسی عالمِ سرشاری میں بے شرمی کی حرکتیں کرتے تھے، شراب فروشوں کی دکانیں نمایاں جگہوں پر قائم ہوتی تھیں اور علامت کی غرض سے ان پر جھنڈے لہراتے تھے جنہیں ''غایۃ'' کہتے تھے، تا کہ مستانِ بے ہوش کو مے کدوں تک پہنچنے میں کسی قسم کی وقت نہ پیش آئے۔

قمار بازی:

شراب نوشی کے ساتھ ساتھ عربوں میں قمار بازی کا بھی رواج تھا، یہ جوا اونٹوں کے گلوں کے ذریعے کھیلا جاتا تھا، جوے کی ایک صورت جسے رہان کہتے تھے یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے اور جب وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگائی جاتی تھی، اس کو لے لیتے تھے، یہ قمار بازی اکثر مار پیٹ اور سخت دنگے فساد کا سبب بنتی تھی، عبس و ذبیان کی لڑائی جو ایک چوتھائی صدی تک جاری رہی، اس قمار بازی اور رہان میں بے ایمانی اور شرط پوری نہ کرنے کے نتیجے میں برپا ہوئی تھی۔

سود خوری:

عربوں میں سود خوری کی لعنت بھی عام تھی، یثرب کے یہود کے علاوہ حجاز کے یہودی تجارکی بدولت سود خوری کی برائی پھیلی، خود قریش میں تجارتی لین دین کی وجہ سے سود خوری کا رواج تھا، طائف کے دولت مند سردار بھی سودی کاروبار کرتے تھے۔

لوٹ مار:

اگر چہ عرب میں لوٹ مار کو ایک مستقل ذریعۂ آمدنی کی حیثیت حاصل تھی، مگر بعض قبائل کو اس میں بڑی شہرت حاصل تھی، جنہوں نے رہزنی کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لیا تھا، ان کے جتھے پہاڑوں، جنگلوں اور میدانوں میں رہتے اور وہاں سے جو مسافر یا قافلے گزرتے انہیں لوٹ لیا کرتے تھے، سوداگروں کے قافلے کسی بھاری رقم (خفارہ) کے بغیر اپنی منزل تک بسلامت نہیں پہنچ سکتے تھے، دوسرے قبیلے کی عورتوں اور بچوں تک کو پکڑ کر فروخت کر دیتے تھے، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی لوٹ اس کے علاوہ تھی، صرف حج کے مہینوں میں وہ اس حرکت سے باز رہتے تھے۔

ڈاکہ زنی کے علاوہ غربت و افلاس کے سبب عربوں میں چوری کی برائی بھی تھی، بعض چور اتنے چابک دست اور سبک پا ہوتے تھے کہ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر چوری کی واردات کرتے تھے، مثلاً سلیک بن سلکہ اور تابطا شراً بڑے ڈھیٹ اور ماہر چور تھے، یہ برائی غرباء ہی میں نہیں تھی بلکہ مالداروں کا گروہ بھی اس سے پاک نہ تھا چنانچہ ابولہب نے جو بڑا دولت مند تھا کعبہ کے خزانے سے غزال زرین چوری کر لئے تھے، چوری میں بعض قبائل کو خصوصی مہارت اور شہرت حاصل تھی، مثلاً بنو غفار، اسلم، مزینہ اور جہینہ۔

معاشرے میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی، مورث کے ترکے سے اسے حصہ نہ ملتا تھا، عرب کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو تلوار پکڑ سکتا ہو، جنگ میں مفتوحہ قبیلے کی عورتیں باندی بنالی جاتی تھیں، طلاق کی کوئی عدت اور مدت نہ تھی، اسی طرح نکاح کی بھی کوئی حد نہ تھی بعض لوگوں کے پاس آٹھ آٹھ دس دس بیویاں تھیں، دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کر لیتے تھے، یوں عورت حد درجہ مظلوم اور معاشرے میں بے حیثیت تھی، لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس سمجھا جاتا تھا اور بعض قبیلوں میں بچی کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے، مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے دختر کشی کی اس عادت بد کا اپنی مسدس مدوجزر اسلام میں یوں ذکر کیا ہے۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

مولانا نے نومولود بچی کو زندہ دفن کرنے کا الزام ماں کے سر تھوپا ہے جو صحیح نہیں ہے سنگ دلی کا یہ جرم باپ انجام دیتا تھا، قرآن میں اس رسم بد کی نہایت درجہ برائی کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ O بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ O (۲۴)

اور جب زندہ درگور کی جانے والی لڑکی، سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی۔

مگر عرب میں ایسے نیک دل حضرات بھی تھے جو اس رسم کو روکتے تھے اور ایسی بچیوں کو لے کر پال پوس کر جوان کرتے اور ان کی شادیاں کر دیتے تھے۔ (۲۴/ الف)

عربوں کے محاسن اخلاق اور خیر الامم بننے کی صلاحیت:

اُن تمام اخلاقی برائیوں کے باوجود، جن کا ہم نے گزشتہ اوراق میں اجمالاً ذکر کیا ہے، اہل عرب میں کچھ ایسی خوبیاں بھی تھیں جو انھیں اپنی پڑوسی اور بظاہر متمدن قوموں سے ممتاز کرتی تھیں، شمالی عرب میں بسنے والے قبائل نسل ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے، نسلی لحاظ سے ان میں کوئی کھوٹ اور میل نہ تھا اور وہ براعت نسب میں دوسری قوموں سے برتر تھے، ہر چند کہ نسلی برتری کسی تفاخر کی بنیاد نہیں بن سکتی مگر سابقہ اقوام میں عربوں نے اپنی نسل کی حفاظت وتنزیہہ میں بڑا اہتمام کیا تھا اور اسی طرح اپنی زبان کی سلامتی اور غیر زبانوں سے اختلاط سے اجتناب میں بھی انھوں نے بڑا غلو کیا تھا، نسل ابراہیمی اپنے جد اعلیٰ کی نسبت سے دنیا کی امامت اور اقوام کی ہدایت کے منصب بلند کی ذمے دار تھی، ان میں عربوں کے بے میل نسب اور صحت نسبت کے سبب انھیں دوسری ابراہیمی نسلوں کے مقابلے میں اس منصب بلند پر فائز ہونے کا بدرجۂ اولیٰ استحقاق حاصل تھا، اور وہی اس کے اہل بھی تھے۔

دنیا کے معروف ومشہور مذاہب اوہام واز لام کی آمیزش اور اپنے مزعومہ دانشوروں کی فکر غیر منظم کے ہاتھوں افکار پریشان کا مجموعہ اور خیالات ژولیدہ کا گورکھ دھندا بن گئے تھے، عربوں کی بڑی اکثریت ان مذاہب کی الجھنوں سے پاک تھی اور اگر چہ وہ بت پرست تھے مگر ان میں جویان حق اور طالبان ملت حنیفی کی کمی نہ تھی، سوفکری وذہنی اعتبار سے ان میں ژولیدگی اور پراگندگی نہ تھی، اور فلسفہ یونان کی موشگافیوں سے ان کے اذہان خالی اور مشاہدۂ فطرت سے قریب تر تھے، یوں ان میں قبول حق کی صلاحیت دوسروں سے زیادہ تھی۔

عرب اپنی فطرت میں آزاد تھا، عظیم سلطنتوں نے اس کے گرد گھیرا ضرور ڈالا تھا، مگر اس کے صحراؤں کی بے کرانی، اس کے پہاڑوں کی دشوار گزاری اور اس کی بستیوں کی ویرانی، اس محکومیت کے گھیرے کو توڑتی اور آزادانہ زندگی کرتی رہی ہے، جباران عہد کو یہ آرزو ہی رہی کہ عرب کی زمین ان کے قدموں تلے ہو اور عرب کے آسمان ان کے حضور سربسجود ہوں مگر یہ حسرت ان کے ساتھ ہی گئی، عرب نے غلامی کی زندگی بسر کرنے پر صحراؤں کی بے رحم ہواؤں میں جینا گوارا کیا اور شہروں خصوصاً شام وعراق کے زرخیز میدانوں والے شہروں میں بسنا اور دنیاوی خداؤں کے آگے جھکنا گوارا نہ کیا، یہ آزادانہ زندگی، عربوں کی حمیت وغیرت ملی سے مطابقت رکھتی تھی، اس لئے وہ غیور تھے، باحمیت تھے اور عزت نفس کی

پاسداری کے لیے سرڈھڑ کی بازی لگا دیتے تھے، غلامی سے انھیں ابا تھا انھوں نے اسی لیے اپنی آزادی کا کبھی سودا نہ کیا اور جب کبھی موقع آیا، روم و فارس کے کارندوں کو نا قابل فراموش سبق سکھایا، عربوں کی اسلام سے قبل کی تاریخ میں ایسے واقعات بکثرت منقول ہیں جن میں ذلت کے معمولی احساس پر انھوں نے حکومتِ وقت سے ٹکر لی، دشمن کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود بھی اپنی آن کی خاطر جان کی بھینٹ چڑھا دی۔

عرب بہادر تھے، پر جوش تھے اور بات پر جان دے دینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی، کبھی یہ بہادری برائیوں کے پھیلنے کا سبب بھی بنتی تھی، دشمنیوں کی کوکھ سے دشمنیاں جنم لیتی تھیں اور بے گناہ بھی اس کی چکی میں پس جاتے تھے، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مظلوم کی حمایت میں ان کا جذبۂ شجاعت بھڑک اٹھتا تھا وہ حق دار کو حق دلانے کے لیے سینہ سپر ہو جاتے تھے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے تھے جب تک کہ حق حقدار تک نہ پہنچ جائے اور مظلوم ظالم سے حساب نہ چکا لے۔

صحرا کی آزاد فضا میں پلنے والے عرب غیور تھے دوسروں کو اپنے سے اونچا نہ سمجھتے تھے مگر دوسروں کو اپنے سے نیچا بھی نہ سمجھتے تھے، مساوات عرب جاہلیت کے ضابطۂ اخلاق کا آئین مسلم تھا، اسی لئے وہ کسی سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہ دبتے تھے۔

عربوں میں پاس وفا تھا، جس سے جو وعدہ کیا، اسے پورا کرتے تھے، بے وفائی ان کی کتاب اخلاق میں گالی تھی، وفائے عہد میں مال و فرزند کی قربانی دینے سے وہ دریغ نہ کرتے تھے، حجاز کے سردار سموئل بن عادیا نے وعدہ خلافی پر اپنے بیٹے کی موت کو ترجیح دی تھی، دوستی پر مرمٹنا اور دوست کی خاطر خود بھی جان سے ہاتھ دھو لینا عربوں میں خصوصیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ غزوۂ بدر میں ابوالبختری نے جان کی امان کو محض اس لئے ٹھکرا دیا تھا کہ اس کے دوست کو یہ امان نہیں دی گئی تھی۔

ہر چند کہ عورتوں کو عربوں کے معاشرے میں اونچا مقام حاصل نہ تھا، مگر ان کی عزت اور احترام کے جذبات سے ان کے دل خالی نہ تھے، بعض قبائل اور افراد ماؤوں کی نسبت سے مشہور تھے مثلاً انصار کا قبیلہ بنو جبلی، اور قریش کے یعلیٰ بن منیہ۔

عربوں کے ان فطری و طبعی اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری دین کی اشاعت اور حفاظت کے لیے جس قوم کا انتخاب کیا تھا وہ ہر قسم کی گمراہیوں کے باوجود، ایسے اوصاف سے متصف تھی کہ اس بارِ عظیم کو اٹھا سکے اور اس بھاری ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکے، یہ قوم ہندی نہ تھی رومی نہ تھی، عجمی نہ تھی بلکہ صحرائے عرب میں بسنے والی، ابوالانبیاء کی ذریت تھی، وہ عربی قوم تھی جسے

خیر الامم بنا تھا اور جسے دنیا کی امامت کا منصب جلیل سونپا تھا او رذٰلک تقدیر اللہ العزیز۔ (۲۵)

۲۔ بعثتِ نبوی ﷺ اور خفیہ تبلغ

بعثتِ نبوی ﷺ کے واقعات بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نبوت و رسالت کی حقیقت اور نبی و رسول کے مبعوث کیے جانے کی حکمت ربانی کا کسی قدر ذکر کیا جائے، اور یہ بتایا جائے کہ نوع انسانی کو انبیاء و رسل کی کیوں ضرورت ہوتی ہے اور ان کی بعثت سے انسانی افراد اور اجتماع کو کیسے فوائد حاصل ہوتے ہیں، امام غزالیؒ نے اپنی کتاب معارج القدس میں نبوت کی حقیقت پر اپنے مخصوص فلسفیانہ و متکلمانہ انداز میں تفصیلی گفتگو کی ہے، یہاں اس کی شرح و بسط کا موقع نہیں ہے، اس لیے ہم ان کی بحث کے ضروری اجزاء کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کریں گے، علامہ شبلیؒ نے اپنی کتاب ''الکلام'' کے آخر میں معارج القدس کو ضمیمے کے طور پر شامل کر دیا ہے، ہم اس کا عام فہم خلاصہ درج کرتے ہیں، اس کے بعد وحی، الہام و کشف کی حقیقت اور ملکۂ نبوت سے متعلق علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ترتیب دادہ مقدمات و افکار کو ملخصاً بیان کریں گے، جن حضرات کو ان کی تفصیل درکار ہو وہ معارج القدس اور سیرۃ النبی جلد چہارم سے رجوع کریں۔

نبوت کی حقیقت:

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

نبوت انسانیت کے رتبے سے بالاتر ہے، وہ عطیۂ الٰہی و موہبت ربانی ہے، اور سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ۔ (۱)

اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کیسے لے۔

اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ وہ عبادات ریاضات جو فکر و مراقبے پر مشتمل ہوں اور ریا سے پاک ہوں، نفس انسانی میں آثار وحی کے قبول کرنے کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں، تاہم نبوت کا منصب خاص محنت اور کوشش سے کسی کو حاصل نہیں ہوتا، وہ نوع انسانی کے لیے اکتسابی چیز نہیں ہے، ہر چند کہ منشائے نبوت کے مطابق ریاضت و عمل نیک قبول وحی کی استعداد کے لیے ضروری ہیں، چنانچہ اس اصول کے مطابق اکثر انبیاء کے آغاز وحی کے حالات میں مرقوم ہے کہ انھوں نے ایک مدت تک عبادت و مراقبے میں بسر کیا،

ایک ایک مہینہ اس طرح گزرا کہ وہ مادی الائشوں سے یکسر الگ ہو گئے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں مہینوں عزلت گزیں رہنا (تحنث) اور فکر و مراقبہ اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہنا اسی بنا پر تھا، اس کیفیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رویائے صادقہ (سچے خواب) دیکھنے لگے جن کی سچائی سپیدۂ صبح کی طرح صاف نمایاں ہوتی تھی، نزول وحی کے بعد کے زمانے میں بھی آپ ﷺ اس قدر عبادت میں مشغول رہتے تھے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس لئے اللہ نے آپ کو خطاب کر کے کہا:

طٰهٰO مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰیO (۲)

اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔

اس عبادت و ریاضت کے ساتھ نبوت کے لیے یہ بھی ضروری ہے، اس کا حامل حسین صورت، اعتدال مزاج، طہارت نسب اور کرم اخلاق کی صفات سے متصف ہو، حق کے دوستداروں سے وہ نرم خو اور متواضع ہو اور دشمنانِ حق کے ساتھ شدید و قوی ہو۔ وہ راست گفتار و امانت دار ہوتا اور محاسن اخلاق سے آراستہ و رذائل سے پاک و صاف ہوتا ہے، وہ اپنے ساتھ برائی کرنے والوں کو معاف کر دیتا ہے، تمام دنیا کی قومیں اس کے سامنے طوعاً و کرہاً سرنگوں ہو جاتی ہیں مگر وہ اس پر مغرور و درشت مزاج نہیں ہوتا، یوں وہ رسالت کے بارِ عظیم کو اٹھاتا اور اس کا پورا حق ادا کرتا ہے، اگر چہ انبیاء بشریت و انسانیت میں عام انسانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے ہیں، مگر عقلیت و معنویت میں وہ ان سے بالکل مختلف ہوتے ہیں، انہیں اپنے نفوسِ قدسیہ کی بناء پر دوسرے انسانوں پر برتری حاصل ہوتی ہے کیوں کہ ان میں قبول وحی کی جو صلاحیت ہوتی ہے، وہ عام انسانوں میں نہیں ہوتی، ان میں ایسی ربانی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن سے وہ انسانی نفوس کی تدبیر کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ان کے عجیب و غریب کام لوگوں کو معجزہ نظر آتے ہیں، اور چونکہ وہ لوگ انہیں برپا نہیں کر سکتے اس لئے ان معجزوں کے ذریعے سے انبیا تحدی کا کام لیتے ہیں۔ (۳)

نبوت کی ضرورت:

انسانی معاشرے کے قیام و انصرام کے لیے نوع انسانی کو باہمی اجتماع و تعاون کی ضرورت ہوتی ہے، اگر یہ اجتماع و تعاون نہ ہو تو ان کا زندہ رہنا ہی ممکن نہ رہے، اس بقائے نفس اور حفاظت مال و آبرو کے لیے جو اصول وضع کئے جائیں اور جو آئین بنائے جائیں ان کا نام شریعت ہے، اس کے لیے

لوگوں کو دو کاموں کی ضرورت پڑتی ہے، ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں، یہ تعاون ہے، دوسرے یہ کہ برے کاموں سے ایک دوسرے کو روکیں اسے تمانع کہتے ہیں، اس تعاون کے ذریعہ آدمی ضروریات زندگی کے اسباب فراہم کرتا ہے، اس کی بدولت عائلی زندگی، قرابت داروں کے حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے، اس طرح تمانع کے ذریعہ نوع انسانی اور افراد انسانی کی زندگی، دولت اور جائیداد اور عزت و آبرو کے تحفظ کی صورت پیدا ہوتی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ تعاون و تمانع کے اصول مرتب اور معلوم ہوں اور وہ اس طرح بنائے جائیں کہ ان میں کسی شخص، خاندان، قبیلے، قوم اور ملک کے فوائد کو ترجیح نہ ہو، بلکہ ان میں سب کا یکساں فائدہ ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعے نہیں بلکہ وحی ربانی و تعلیم الٰہی سے بن سکتا ہے اور ضروری ہے کہ یہ اصول و آئین اس ذات کی جانب سے وحی ہوں، جس کے دست قدرت میں نظام عالم کی باگ ڈور ہو۔ یہ اصول خالق کائنات کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں، وہی نبی اور رسول ہوتا ہے۔ نبی و رسول کا یہ کام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کی مادی و روحانی فلاح و فوز کے لئے جو احکام آئیں انہیں قبول کرے اور لوگوں تک انھیں ٹھیک ٹھیک پہنچا دے، اس کا کام اللہ کے نائب کی حیثیت سے ان احکام کا نفاذ بھی ہے نوع انسانی کی مادی اصلاح و روحانی تربیت کی غرض سے اسے انسانوں کا رہنما اور امام مقرر کیا گیا ہے، اس طور سے نوع بشری کی مادی ضروریات کی جائز تکمیل کی رہنمائی بھی اسی سے ملتی ہے اور اخلاقی بالیدگی و نشو و نما بھی اسی کی ہدایت کی بدولت رونما ہوتی ہے وہ اللہ کی جانب سے جو پیغام و احکام وصول کرتا ہے، وہ اصطلاح شریعت میں وحی ہے اور اپنی فطرت قدسیہ سے نوع بشری کے رشد و ہدایت کے لیے جو تدبیر اختیار کرتا اور اسے روبعمل لاتا ہے، احکام الٰہی کی جو توضیح و تشریح کرتا ہے، وہ سب شریعت کی زبان میں ملکہ نبوت سے عبارت ہیں، اس کی لائی ہوئی وحی اور اس کی بیان کی ہوئی تشریح و توضیح بھی اللہ کی ہدایت اور اس کے نور بصیرت سے وابستہ ہوتی ہیں، اس لئے ان پر ایمان لانا، ان کی تصدیق کرنا اور انھیں ضابطۂ حیات قرار دینا ضروری ہے، نبی و رسول اپنی دعوت میں معصوم ہوتا ہے، اس کا دامن ہر قسم کی لغزش، سہو نسیان سے پاک ہوتا ہے، وہ بولتا ہے تو وحی کی زبان سے بولتا ہے، وہ سوچتا ہے تو وجدان و تخیل سے سوچتا ہے جو اللہ نے اسے بطور خاص عطا کیا ہوتا ہے، اس کا منصب وہبی، اس کا پیغام وحی اور اس کا عمل ملکہ نبوت ہوتا ہے۔ (۴)

نبی کی دو بعثتیں:

نبیوں میں اسے بلند مقام حاصل ہوتا ہے جس کو پیغمبرانہ بعثت کے ساتھ ایک اور بعثت ملتی ہے، اور وہ یہ کہ منشائے خداوندی یہ ہوتا ہے کہ اس نبی کے ذریعے سے اس کی قوم اور اس کی قوم کے ذریعے سے دوسری قومیں تاریکی سے نکل کر روشنی میں آئیں، ظلمت سے نور کی سمت آئیں اور گمراہی سے نجات پا کر ہدایت کی منزل پائیں، اس نبی کی ذاتی بعثت کا نام بعثت اولی (پہلی بعثت) ہے اور اس کی قوم کی دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے نامزدگی بعثت ثانیہ (دوسری بعثت) ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اولوالعزم انبیاء میں سرفہرست اور امام الانبیا ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی بعثت دو گنی ہے، ایک آپ کی بعثت اور دوسری آپ کے توسط سے امت محمدی ﷺ کی بعثت قرآن، سورۂ جمعۂ آیت ۲ میں بعثت محمدی ﷺ کا ذکر ہے اور سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰ میں امت محمدی ﷺ کی بعثت کا، ان آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ بعثت ان کی امت کے لئے ہے ویسی ہی ان کی امت کی بعثت دوسری قوموں کے لیے ہے۔ (۵)

علم انبیاء، کشف، الہام ووحی کی حقیقت:

عام طور سے انسانی علم کے پانچ ذریعے خیال کئے جاتے ہیں، پہلا علم وجدانیات یعنی آدمی کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہوتا ہے، دوسرا یعنی فطریات کا علم، خالق فطرت خود آدمی کے اندر ودیعت کرتا ہے، تیسرا علم محسوسات کا علم ہے، جو آدمی کے ان ظاہری حواس کا نتیجہ ہوتا ہے جو اگرچہ باہر ہوتے ہیں مگر آدمی کے جسم کے اندر ہی ہوتے ہیں، چوتھا علم بدیہیات اولیہ کہلاتا ہے، جو آدمی کے حواس اور ذہن کا مشترکہ فیصلہ ہوتا ہے، پانچواں ذریعہ علم انسان کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے، وہ آدمی ہی کے اندر کے دماغی قویٰ کا عمل ہوتا ہے، یوں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کا علم وجدان سے ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کرکے ماورائے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے، ان کے بعد اُس علم کا درجہ آتا ہے جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے، اور جس کا تعلق مادے سے اتنا بھی نہیں ہوتا جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے، وہ تمام تر مادیات سے پاک ہے، اس کو مادے سے اتنا ہی تعلق ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینے پر اوپر سے آکر اپنا اثر ڈالتا ہے، اس غیر مادی علم کے بھی مختلف درجے ہیں، جن کو فراست، حدس، کشف، الہام اور وحی کہتے ہیں، جس طرح انسانی علم کے مذکورۂ بالا پانچوں ذرائع انسان کے جسمانی قویٰ

سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قویٰ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اور یہ سب برائے نام مادی و روحانی سے ترقی کر کے آخر کار خالص روحانی کے ذریعے تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔

۱۔ فراست کے لفظی معنی تاڑ جانے کے ہیں، ہر علم و فن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہو جاتا ہے، ان لوگوں کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے، جسے ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر دیکھتا نہیں، اچھے اور نیک لوگوں کو اپنی جماعت کے افراد کی شناخت اور پہچان کی قوت بھی تجربے کی کثرت اور عمل کی مہارت سے حاصل ہوتی ہے، اور یہی فراست ہے۔

۲۔ فراست کے بعد حدس ہے، فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں، جبکہ حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں، اور انہیں پر غور و فکر اور ترتیب و تنظیم سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے، لیکن فطری کمال یا فن میں مہارت کے باعث ذہن رسا غور و فکر اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو اس سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجے تک پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا کہ اس نتیجے کو حاصل کرنے میں اس کے کسی دماغی عمل کو بھی دخل ہے، یہ بات بھی اکثر عاقل و صاحب الرائے انسانوں کو فطرتاً عطا ہوتی ہے، عقلاء و دانشوروں کے واقعات زندگی میں اس قوت کی کارفرمائی کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

۳۔ کشف کے لغوی معنی ہیں کھولنا اور پردہ اٹھانا، مگر اس سے مراد یہ ہے کہ مادیت کے تاریک پردے کو چاک کر کے مادی اشیا کا عالم روحانی میں مشاہدہ کیا جائے، یہ اشیا کبھی اپنی اصل صورتوں میں اور کبھی مثالی صورتوں میں نمودار ہوتی ہیں، خواب (رویا) اس کی بہترین مثال ہے، لیکن خواب عالم خواب کی بات ہوتا ہے، اور کشف عالم بیداری سے تعلق رکھتا ہے، خواص پر بیداری ہی میں حواس ظاہری کے معطل ہو جانے کے سبب کشف کی کیفیت طاری ہوتی ہے، ایسے حیرت انگیز واقعات لوگوں کے تجربے میں اکثر آتے ہیں۔

۴۔ الہام کے معنی دل میں ڈالنے کے ہیں، مگر اصطلاح میں اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت، تلاش، تحقیق اور ترتیب مقدمات کے بغیر دل میں آ جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس علم کی صحت بعد کو کسی حسی تجربے یا عقل و دلیل سے بھی ثابت ہو جائے، لیکن خود وہ علم پہلے پہل ذہن میں کسی حسی تجربے یا عقلی دلیل کے نتیجے میں نہیں آتا، بلکہ خود بخود دل میں آ جاتا ہے، اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین و موجدین کے ذہنوں میں پہلے پہل آتے ہیں اور وہ انہیں دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

۵۔وحی کے لفظی معنی ہیں کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دیئے بغیر اخفا و آہستگی سے دوسرے پر ظاہر کر دینا،لیکن اصطلاح میں وحی سے مراد ہے کہ اللہ اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعے سے مطلع کر دے، یہ علم اور اطلاع کے روحانی ذرائع کی آخری سرحد ہے،مختصر یہ کہ بیداری میں اشارے سے بات کرنا کشف ہے،خواب کے عالم میں رویاء ہے،پردے کے پیچھے سے آواز کا آنا الہام ہے اور فرشتے کی وساطت سے بات کرنا وحی ہے،روحانی ذرائع علم کے یہ آخری تین ذرائع یعنی کشف،الہام اور وحی انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے یقینی ہوتے ہیں،ان میں بھی مراتب یقین میں پہلے وحی، پھر الہام اور پھر کشف کے درجات آتے ہیں،انبیائے کرام علیہم السلام کو اپنے کشف،الہام اور وحی پر اتنا ہی یقین ہوتا ہے جتنا عام انسانوں کو اپنے محسوسات،فطریات یا بدیہیات پر ہوتا ہے،جس طرح کسی آدمی کو اس علم میں دھوکہ نہیں ہوسکتا کہ اسے بھوک یا پیاس معلوم ہو رہی ہے یا اسے مسرت یا رنج ہے، بالکل اسی طرح نبی کو بھی اپنے روحانی وجدانیات میں دھوکہ نہیں ہوتا،وہ اپنے جملہ غیبی اور روحانی ذرائع علم میں ہر لغزش،فریب،خطا اور غلطی سے منزہ،مبرا اور پاک صاف ہوتا ہے۔

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ روحانی ذرائع علم کی یہ تینوں قسمیں فقہا و متکلمین کی اصطلاحیں ہیں،قرآن کی اصطلاح میں روحانی ذریعۂ علم کا نام ''مکالمۂ ربانی'' ہے اس کی تین صورتیں ہیں،اول اشارے سے بات کرنا،یعنی دل میں کسی بات کا آدازو الفاظ کے بغیر آجانا،اگر یہ عالم بیداری ہے تو کشف اور حالت خواب ہو تو رویا ہے،دوم اللہ کا پردے کے پیچھے سے بات کرنا یعنی متکلم نظر نہیں آتا مگر غیب سے آواز آتی ہے اسے الہام کہہ لیجئے اور سوم فرشتے کے ذریعے سے بات کرنا،یعنی فرشتہ اللہ کا پیغام لیکر سامنے آتا ہے اور اس کے منہ سے اللہ کے پیغام کے الفاظ ادا ہوتے ہیں،مکالمہ الٰہی کے تینوں طریقے وحی ہیں۔(۶)

وحی اور ملکۂ نبوت:

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم وحی اور ملکۂ وحی پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کا بیان نقل کرتے ہیں:

> حکمائے اسلام نے وحی کی حقیقت کو ملکہ نبوت کے لفظ سے ظاہر کیا ہے،اس کی تشریح یہ ہے کہ ترتیب کائنات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں علم اور تعقل نے پستی سے بلندی کی طرف رفتہ رفتہ ترقی کی ہے،جمادات بے حس

ہیں، اُن کے اوپر نباتات ہیں جن میں صرف محدود احساس ہوتا ہے، اور دماغی قوئی، حافظہ، تذکر اور غور و فکر کی قوت سے وہ محروم ہیں، ان سے اونچے حیوانات ہیں جن میں یہ تمام قوئی ناقص طریقے سے نمودار ہوتے ہیں، اور آخر میں اُن سے بالاتر ہستی یعنی انسان میں جا کر یہ قوئی پورے کمال میں ظاہر ہوتے ہیں، ان قوئی کی ترقی یہیں تک محدود نہیں ہے، بلکہ جس طرح نباتات میں قوت احساس ہے، جس سے جمادات محروم ہیں، اور حیوانات میں حافظہ، تصور تعقل وغیرہ کے وہ قوائیں ہیں جو نباتات میں نہیں، انسان میں وہ دماغی و ذہنی قوئی ہیں جو حیوانات میں نہیں، اسی طرح انبیاء میں تعقل و علم کی ایک قوت موجود ہوتی ہے، جو عام انسانوں میں نہیں ہوتی، اور اس کا نام "ملکۂ نبوت" ہے۔

حواس صرف مادیات کو دریافت کرتے ہیں، دماغی قوئی مادیات سے بلند ذہنیات اور عقلیات کو، اور ملکۂ نبوت اس سے بھی اونچا جاتا ہے، وہ ذہنیات و عقلیات سے بلند تر حقائق یعنی غیبیات کو دریافت کرتا ہے، اس ذریعۂ علم میں غور و بحث اور منطقیانہ فکر و نظر اور ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ حقائق اس طرح سامنے آتے ہیں، جس طرح وجدانیات، فطریات، بدیہیات اور محسوسات سامنے آتے ہیں اور انہیں کی طرح وہ یقینی بھی ہوتے ہیں، اور چونکہ اس ذریعے میں علم انسانی کے عام ذریعے اور طریقے یعنی وجدان، فطرت نوعی، ہدایت اولیہ، احساس اور غور و فکر سے معلومات حاصل نہیں کئے جاتے بلکہ خود علام الغیوب، وہ علم ان انسانی وسائط کے بغیر ان کو عطا کرتا ہے، شرع کی زبان میں اسی کو وحی و الہام کہتے ہیں، علم کلام کی اصطلاح میں ملکۂ نبوت اور عام محاورے میں اس کو غیبی علم کہہ لیجئے۔ لیکن اہل نقل کی اصطلاح میں وحی کی یہ صورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو وقتاً فوقتاً احکام اور ارادوں سے براہِ راست فرشتوں کے ذریعے سے مطلع کرتا رہتا ہے، یہی وحی ہے۔

اہل عقل و نقل کے اختلاف کا منشا یہ ہے کہ آیا یہ وحی خود پیغمبر کے مافوق اور غیر معمولی وہبی علم و فہم کا نتیجہ ہوتی ہے یا خود براہ راست وقتاً فوقتاً تعلیم ربانی

کا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حقیقت عقل کی نقل سے اور نقل کی عقل سے علیحدگی میں نہیں بلکہ اتحاد میں ہے، انبیاء میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آغاز پیدائش سے ان امور کے متعلق جن کا ان کی رسالت ونبوت سے تعلق ہے، وہ کل استعداد وفہم ہوتی ہے، جس سے غیر انبیا محروم ہیں، اور اس پوشیدہ قوت کا عملی ظہور اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب وہ نبوت کے منصب پر عملاً سرفراز ہوتے ہیں، اسی کا نام ملکۂ نبوت ہے اور اہم امور دین کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً جو غیبی اطلاع ملتی رہتی ہے، اس کا نام وحی ہے۔(۷)

تمہید بعثت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت سے پہلے کے حالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرک کی آلائشوں سے پاک اور توحید کے قائل تھے، آپ نے بچپن ہی سے قریش کے مشرکانہ عقائد سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور کبھی بھی مشرکانہ عبادات میں حصہ نہیں لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق کی خود حفاظت کی، انہیں راہ ہدایت دکھائی اور حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین حنیفی پر گامزن رہنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور قریش وکفار عرب نے اس میں جو تحریفات کر دی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فطرت سلیم اور قلب صمیم کی بدولت ان سے قبل بعثت مجتنب وکنارہ کش رہے۔

تحنث:

بعث سے چند سال پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا زیادہ تر وقت غور وفکر اور خلوت نشینی میں گزارنے لگے تھے، اور گھر سے کچھ فاصلے پر غار حرا میں چند روز کا سامان لے کر چلے جاتے تھے، جب یہ سامان ختم ہو جاتا تو آپ واپس آتے، کعبے کے سات طواف کرتے اور مزید کھانے پینے کا سامان لے کر غار حرا میں واپس چلے جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعقل وتفکر وتدبر میں مشغول اور دین حنیفی کے طریقوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے، اس عبادت ونیکوکاری (تعبد وتبرر) کو تحنث سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ خلوت گزینی وعبادت بالعموم رمضان کے مہینے میں کی جاتی تھی، یہ گویا فکری ارتقا اور منصب نبوت پر فائز ہونے کا پیش خیمہ تھا، اور ملکہ نبوت کی آبیاری وتربیت تھی۔(۸)

رویائے صادقہ:

صحیح احادیث سے پتا چلتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا، آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں، سچے خوابوں کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا، چنانچہ احادیث میں رویائے صادقہ (سچے خوابوں) کا اکثر ذکر ملتا ہے، ان کے ذریعہ آپ ﷺ کو کسی امر کی تعلیم دی جاتی یا کسی بات پر مطلع کیا جاتا تھا۔(۹)

نزول وحی کا آغاز:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف چالیس سال چھ ماہ کا ہوا تو آپ پر وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا، جو مختلف وقفوں سے تیئس برسوں تک جاری رہا، آپ حسب معمول غار حرا میں تحنث یعنی تفکر و تدبر میں مشغول تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور آپ ﷺ سے کہا ''پڑھو'' آپ نے فرمایا: میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ یہ سن کر فرشتے نے آپ کو پکڑ کر بھینچا اور چھوڑ دیا، پھر کہا ''پڑھو'' آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ اس پر فرشتے نے آپ کو دوبارہ بھینچا اور چھوڑ دیا اور بولا ''پڑھو'' آپ نے پھر وہی کہا کہ ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں''۔ یہ سن کر فرشتے نے تیسری بار آپ ﷺ کو بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، گوشت و خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو! اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہیں جانتا تھا''۔ یہ پہلی وحی سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں پر مشتمل ہے، جسے آپ ﷺ نے جبرئیل سے سن کر دہرایا،

نزول وحی کے بعد آپ ﷺ پر ایک کپکپی سی طاری ہوئی، آپ فوراً گھر واپس آئے اور اپنی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ سے فرمایا ''مجھے کوئی چیز اڑھا دو'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر اڑھا دی گئی، جب یہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ ﷺ نے زوجۂ محترمہ کو سارا واقعہ سنایا اور اپنی تشویش کا اظہار کیا، حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا: ''اللہ کی قسم آپ کو اللہ کبھی رسوا نہ کریگا، آپ ﷺ قرابت داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں، ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں''۔(۱۰)

ورقہ بن نوفل سے ملاقات:

حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، تائید مزید کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے ہاں لے گئیں، ورقہ کا شمار موحدین میں ہوتا تھا، جنھوں نے زمانۂ قبل اسلام میں بت پرستی اور مراسم شرک و رسوم جاہلیت سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور دین حنیف ابراہیمی کی تلاش میں تھے مگر آخر کار سچائی کی راہ نہ پا سکے اور عیسائی ہو گئے، انھیں ورقہ کے پاس حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو لے گئیں اور واقعات کی تفصیل بیان کی، ورقہ نے کہا: ''یہ وہی ناموس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا، کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ ﷺ کو نکالے گی! اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی ضرور مدد کروں گا'' لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ (۱۱)

نزولِ قرآن کے آغاز کی تاریخ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی اتری وہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں تھیں اور اسی کے ساتھ نزولِ قرآن کا آغاز ہوا، سورۂ البقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ (۱۲)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (۱۳)

ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں اتارا۔

علمائے اسلام کی اکثریت کی یہ رائے ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی ایک طاق رات شب قدر ہے، (یعنی ۲۱/۲۳/۲۵/۲۷/۲۹ پانچ راتیں) ان میں بھی موثق قول یہ ہے کہ ستائیسویں رات شب قدر ہے، یوں نزول قرآن کا آغاز بوقت شب، بتاریخ ۲۷/رمضان المبارک ۴۱ ویں عام الفیل ہوا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک چالیس سال، چھ ماہ، پندرہ دن تھا، (از ۱۲/ربیع الاول ۱ عام الفیل تا ۲۷/رمضان ۴۱ عام الفیل) (۱۴)

فرضیت صلوٰۃ:

نزول وحی کے بعد سب سے پہلی چیز جو فرض کی گئی وہ صلوٰۃ (نماز) تھی، یہ ابتدا میں دو دو رکعت تھی، حضرت زید بن حارثہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہونے کے بعد حضرت جبرئیل آپ ﷺ کے پاس آئے، انھوں نے آپ کو وضو کرنا سکھایا اور آپ کے ساتھ دو دو رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ پڑھیں، اس کے بعد آپ نے اسے حضرت خدیجہ کو تعلیم فرمایا اور دونوں نماز ادا کرنے لگے، یہ نماز طلوعِ آفتاب کے بعد یعنی ضحیٰ (چاشت) اور غروبِ آفتاب کے بعد تھی۔ (۱۵)

سورۃ المدثر کا نزول:

سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے نزول کے بعد کچھ دنوں تک وحی آنے کا سلسلہ رکا رہا جسے اصطلاح میں فترت الوحی کہا جاتا ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرح کا رنج ہوا، اس کے بعد سورۃ المدثر کی یہ ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں:

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ O قُمْ فَاَنْذِرْ O وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ O وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ O
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ O وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ O وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ O (۱۶)

اے اوڑھ کر لیٹنے والے! اٹھو اور خبردار کرو، اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو، اور گندگی سے دور رہو، اور احسان نہ جتلاؤ زیادہ حاصل کرنے کے لئے، اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

ان قرآنی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی کہ خوابِ غفلت سے لوگوں کو جگاؤ، جن برائیوں میں وہ مبتلا ہیں انھیں ان سے چھٹکارا پانے کا راستہ بتاؤ، اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا اعلان کردو، آدمی اس کے علاوہ کسی کو بڑا نہ سمجھے اور صرف اس کے حضور سرِ اطاعت خم کرے، لباس کی ظاہری پاکیزگی پر توجہ دو، رہبانیت کے زیرِ اثر میلے کچیلے کپڑے نہ پہنو، زندگی میں شائستگی اور شرافت اختیار کرو، ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے دور رہو، اخلاق میں گندگی، عقیدے میں نجاست اور روح میں عدمِ طہارت سے کنارہ کش رہو، جب کسی پر احسان کرو تو بے غرضانہ کرو، اور تمہاری بخشش و عطا صرف اللہ کی رضا کی خاطر ہو، احسان جتلانے اور دکھاوے کے لئے ایسا نہ ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا گیا کہ

اعلیٰ اخلاق کی تعلیم، توحید کی تبلیغ اور حق کی تعمیم میں بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی، سخت اذیتیں جھیلنی پڑیں گی اور پوری دنیا کی دشمنی مول لینی پڑے گی مگر اللہ پر اعتماد کرنا اور صبر سے کام لینا۔

قرآن مجید کی ان دونوں ابتدائی وحیوں میں انسانی ذرائع علم کی توسیع وترویج اور مکارم اخلاق کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرانے کی تلقین اس لیے کی گئی ہے کہ آدمی کی جسمانی صفائی، روحانی پاکیزگی، اعلیٰ اخلاق کی آبیاری اور اعتماد علی اللہ و مستقل مزاجی کی صفات عالیہ کی اہمیت واضح کی جائے اور بتایا جائے کہ جو دعوت لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں، وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط، ہمہ گیر اور عالم گیر ہے۔(۱۷)

خفیہ تبلیغ کے تین سال:

تبلیغ رسالت کے ابتدائی تین سال کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کو خفیہ طریقے سے ان لوگوں تک پہنچاتے رہے جو محض دلیل و برہان سے توحید کو قبول کرنے اور شرک سے اجتناب پر آمادہ ہوسکتے تھے، اور ساتھ ہی ان پر رازداری کے سلسلے میں اعتماد بھی کیا جاسکتا تھا، ان ابتدائی خوش قسمت افراد میں وہ لوگ شامل تھے جنھیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے خصوصی تعلق تھا۔ ان میں آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ آپ کی صاحب زادیاں، آپ کے غلام زید بن حارثہؓ، آپ کے زیر کفالت برادرعم زاد حضرت علیؓ اور آپ کے حبیب خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ شامل تھے، یہ لوگ وہ تھے جو اکثر اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے اور آپ ﷺ کی زندگی کی جزئیات تک ان کے علم میں تھیں، حضرت ابوبکر صدیق کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ قریش کے ہر دل عزیز تاجر، خوش اخلاق فرد اور مکہ کی اعیانی ریاست میں اشناق کے منصب پر فائز اور اپنی پاکیزگی اخلاق کے لیے شہرت رکھتے تھے، تجارت اور معاشرت میں ان کے حسن کردار کی وجہ سے لوگوں میں ان کا بہت اثر تھا، چنانچہ بعض نہایت اہم اصحاب انہیں کی تبلیغی مساعی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، مثلاً حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ وغیرہ، اس زمانے میں مسلمان احتیاط برتتے اور اپنے اسلام کو خفیہ رکھتے تھے، دو وقتوں کی نماز جو فرض تھی اس میں چاشت (ضحیٰ) کی نماز، کہ قریش کے ہاں بھی جائز تھی، حرم میں پڑھتے مگر غروب کے بعد کی نماز کسی گھاٹی یا درے میں ادا کرتے تھے۔(۱۸)

سب سے پہلے کون حضرات اسلام لائے:

اس بات پر قریب قریب اتفاق ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے اسلام قبول کیا، ان کے بعد کس نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا، اس سلسلے میں مختلف روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام آتا ہے، بعض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولی و متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ کا اور بعض میں حضرت علی کا جن کی عمر اس وقت آٹھ سال کے قریب تھی نام لیا جاتا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ کے نام سب سے پہلے مسلمان ہونے والوں میں عموماً نظر انداز کر دیے جاتے ہیں، تمام روایتوں میں تطبیق و تعدیل کے بعد جو بات موثق ٹھہرتی ہے وہ یہ ہے کہ خواتین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ، آپ کی چاروں صاحب زادیاں اور آپ کی دائی جناب ام ایمن جو حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنے شوہر کی معیت میں رہتی تھیں سب سے پہلے دولت اسلام سے مالا مال ہوئیں، آزاد مردوں میں بنو تیم کے رئیس حضرت ابو بکر صدیق کو، موالی میں حضرت زید بن حارثہ کو اور بچوں میں حضرت علی بن ابی طالب کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ ان نو افراد کے بعد ابتدائی تین سالوں میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سے ایک بڑی تعداد نے حضرت ابو بکر صدیق کی تبلیغ سے یہ شرف حاصل کیا، ان کے بعد اسلام لانے والوں میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص کے نام آتے ہیں، یوں ابن ہشام کے بقول یہ پانچ اصحاب اور حضرت ابو بکر صدیق، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی بن ابی طالب کل آٹھ افراد کے اسمائے گرامی السابقون الاولون کے پہلے گروہ میں محسوب ہوتے ہیں، ان کے بعد خفیہ تبلیغ کے زمانے میں دعوت اسلام پر لبیک کہنے والوں میں ایک سو دو مرد، ستائیس عورتیں اور سات غلام اور باندیوں کے نام آتے ہیں، ہم ذیل میں ان کی قریش کی ذیلی تقسیم کے مطابق نشان دہی کرتے ہیں، مگر یہ یاد رہے کہ ابتدائی مسلمانوں کے ناموں میں روایات میں سخت اضطراب ہے اور ان کی تطبیق بالعموم دشوار امر ہے، اس لیے ہماری پیش کردہ فہرست کو تقریبی سمجھنا چاہیے حتمی نہیں، نیز ابتدائی نو مسلمان اس میں شامل نہیں ہیں:

۱۔بنو ہاشم بن عبد مناف بن قصی: ایک مرد (حضرت جعفر بن ابی طالب) اور چار

عورتیں، کل پانچ فرد۔

۲۔ **بنو مطلب بن عبد مناف بن قصی:** ایک مرد (حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب) ایک فرد۔

۳۔ **بنو عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب:** (بشمول بنی امیہ بن عبد شمس) ۶ مرد (بشمول حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت عثمان، حضرت خالد بن سعید) اور ۴ عورتیں، کل دس افراد۔

۴۔ **بنو عبد الدار بن قصی بن کلاب:** (بشمول حضرت مصعب بن عمیر) کل چار مرد

۵۔ **بنو عبد العزٰی بن قصی بن کلاب:** ۵ مرد (بشمول حضرت زبیر بن عوام) کل پانچ مرد

۶۔ **بنو عبد قصی بن قصی بن کلاب بن مرہ:** ۱ مرد (حضرت طلیب بن عمیر، آنحضرت ﷺ کی پھوپھی اروٰی بنت عبدالمطلب کے بیٹے) ایک مرد

۷۔ **بنو زہرہ بن کلاب بن مرہ:** ۱۴ مرد (بشمول حضرات عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، مقداد بن عمرو، اور خباب بن ارت و شرحبیل بن حسنہ) اور دو عورتیں، کل سولہ افراد۔

۸۔ **بنو تیم بن مرہ بن کعب:** ۳ مرد (بشمول حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور صہیب بن سنان) اور ۳ عورتیں کل چھ حضرات۔

۹۔ **بنو مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب:** ۱۲ مرد (بشمول، حضرت ابوسلمہ، ارقم بن ابی الارقم، عیاش بن ابی ربیعہ اور عمار بن یاسر) اور ۳ عورتیں (بشمول سمیہ مادر عمار بن یاسر)، کل پندرہ افراد۔

۱۰۔ **بنو عدی بن کعب بن لوی:** ۱۳ مرد (بشمول حضرت سعید بن زید، حضرت زید بن خطاب) اور ۲ عورتیں (بشمول فاطمہ بنت خطاب) کل پندرہ افراد۔

۱۱۔ **بنو جمح بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوئی:** ۹ مرد (بشمول حضرت عثمان بن مظعون) اور ۲ خواتین، کل گیارہ فرد۔

۱۲۔ **بنو سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوئی:** ۱۵ مرد (بشمول حضرت خنیس بن حذافہ اور حضرت ہشام بن عاص بن وائل) کل پندرہ افراد۔

۱۳۔ **بنو عامر بن لوئی بن غالب بن فہر:** ۷ مرد (بشمول حضرت ابوسبرہ بن رہم آنحضرت ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے، سکران بن عمرو ام المومنین حضرت سودہ کے پہلے شوہر اور حضرت ابن ام مکتوم) اور ۳ خواتین (بشمول حضرت سودہ بنت زمعہ ام المومنین) کل دس افراد۔

۱۴۔**بنو حارث بن فہر بن نضر بن مالک**: ۲ مرد (بشمول حضرت ابوعبیدہ بن جراح و سہیل بن بیضاء) کل چھ مرد۔

۱۵۔**غیر قریش کے افراد** :۲ مرد (مِحجَن بن ادرع اسلمی اور سعود بن ربیعہ) کل دو مرد۔

۱۶۔**غلام اور باندیاں**: ۳ مرد (حضرت بلال، حضرت ابوفکیہہ اور حضرت عامر بن فہیرہ) اور ۴ خواتین، کل سات افراد۔ان ابتدائی مسلمانوں کی کل تعداد ایک سواڑتیں (۱۳۸) ہوئی۔(سب سے پہلے مسلمان نو+ایک سوانتیس)(۱۹)

دارارقم:

خفیہ تبلیغ ہی کے زمانے میں دارارقم کو مسلمانوں کے اجتماع کے لیے مخصوص کیا گیا، ابن ہشام کی روایت ہے کہ خفیہ تبلیغ پر ڈھائی سال سے کچھ اوپر مدت گزری تھی کہ بعض کفار قریش نے مسلمانوں کو مکہ کی گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا اور مسلمانوں سے لڑائی پر تل گئے، حضرت سعد بن ابی وقاص نے مقابلہ کیا، اور بنوتیم ادرم قریش کے ایک شخص عبداللہ بن خطل کو زخمی کر دیا، اس واقعے کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا کے قریب حضرت ارقم بن ابی الارقم مخزومی کے مکان کو دعوت وتبلیغ کا مرکز قرار دیا، یہ مکان خانہ کعبہ سے قریب تھا، چنانچہ مسلمان یہیں جمع ہوتے، نماز ادا کرتے اور جو نئے لوگ اسلام لانا چاہتے انھیں بھی یہیں لایا جاتا تھا، دارارقم کو علانیہ تبلیغ کے زمانے میں بھی مسلمانوں کے مرکز کی حیثیت حاصل رہی اور ہجرت مدینہ تک وہیں مسلمان اکٹھا ہوتے تھے، مسلمانوں نے اس مقدس مکان کو محفوظ رکھا اور آج بھی سعودی حکومت نے اس کی تزئین وتوسیع کا خاص اہتمام کیا ہے اور وہ زیارت گاہ عام ہے۔(۲۰)

تبلیغ کے اہم نکات:

تبلیغ کے ان ابتدائی تین برسوں میں جن باتوں پر زور دیا جاتا تھا، ان میں توحید باری کی تلقین، شرک اور بت پرستی کی تردید، روز جزا کا بیان اور عذاب جہنم سے انذار و نعیم جنت کی بشارت شامل تھیں، ان کے علاوہ خیرات وصدقات کی ترغیب اور اخلاق حسنہ کی تعلیم وترویج بھی دعوت کے اہم نکات تھے، کفار قریش کو شرک کی تردید اور اپنے بتوں کی بے حقیقتی کے بیانات سے سب سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی، اس کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات ومبرات کی ترغیب سے قریش کے سرداروں کو جو تاجر

اور مال و زر کے حریص تھے، اسلام سے بیزاری محسوس ہوتی تھی، قریش کی مخالفت کی بڑی وجہ یہی تھی۔

بہر کیف قابل ذکر بات یہ ہے کہ بعثت کے بعد تین سال تک خفیہ تبلیغ کے دوران میں کم و بیش ایک سو چالیس حضرات و خواتین نے اسلام قبول کیا، ان کی دینی و اخلاقی تربیت کی گئی اور یوں سرفروشوں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی، جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے تن من دھن سے آمادہ ہوگئی، سخت سے سخت آزمائش بھی انھیں راہِ حق سے ہٹا نہ سکی اور ہر قسم کی ترغیب ان کے پائے ثبات میں کسی طرح کی لغزش پیدا نہ کر سکی اور وہ ثابت قدم رہے۔(۲۱)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کے حالات

۱۔ القرآن، سورۃ الروم، آیت ۴۱

۲۔ تاریخ طبری/ ج۲، ص ۲۲۸، ۲۳۵۔ ابن قتیبہ، المعارف/ ص ۲۸۵، ۲۹۴۔ مقبول بیگ بدخشانی، تاریخ ایران، مطبوعہ مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۷ء/ ج۱، ص ۵۰۹، ۵۲۳ تا ۵۴۸۔ احمد امین، فجر الاسلام/ ص ۹۹ تا ۱۱۲۔ ابن اثیر/ ج۱، ص ۲۹۳ تا ۲۹۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص ۲۱۰ بعد۔ مولانا سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ/ مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۳۸۷ھ جلد چہارم/ ص ۲۱۳ بعد۔

۳۔ القرآن۔ سورۃ التوبہ، آیت ۳۱۔ ابن اثیر/ ج۱، ص ۱۸۹ تا ۱۹۵۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص ۱۸۸ بعد۔ اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۱۹۷۹ء/ ج۵، ص ۱ تا ۵۔

P.K.HITTI, History of the Arabs, PP142, 143- William Muir, The Caliphate its Rise and Fall, Khayats, Beirut, 1963 p.p 48,49

سیرۃ النبی/ ج۴، ص ۲۱۸ وبعد۔

۴۔ ہندوستان کے حالات مسٹر آر، سی دت کی کتاب The History of Ancient India vel 3 سے ماخوذ ہیں، بحوالہ سیرۃ النبی ﷺ/ ج۴، ص ۲۲۹ وبعد

۵۔ بلوغ الارب/ ج۲، ص ۲۴۱

۶۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص ۲۳۹ تا ۲۷۶، سیرۃ النبی ﷺ/ ج۴، ص ۲۳۳ وبعد

۷۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۴۷

۸۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۷۸

۹۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۱۸

۱۰۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۸۰

۱۱۔ القرآن، سورۃ المائدہ، آیت ۱۳

۱۲۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۷۸

۱۳۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۸۷

۱۴۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۸۵

۱۵۔ القرآن، سورۃ آل عمران، آیت ۷۵

۱۶۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۱

۱۷۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ۳۰

۱۸۔ القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۸۸، اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ/ ج ۲۳، ص ۳۵۶ تا ۳۵۹

۱۹۔ الملل والنحل/ ج ۲، ص ۲۳۷ و ۲۳۸

۲۰۔ ارض القرآن/ ج ۲، ص ۲۰۷، ۲۰۸

۲۱۔ بلوغ الارب/ ج ۲، ص ۲۳۵، ۲۴۱۔ الفصل فی الملل والاہواء والنحل/ ج ۱، ص ۹۹۔ ارض القرآن/ ج ۲، ص ۲۰۷

۲۲۔ القرآن، سورۃ النجم، آیت ۲۷

۲۳۔ تاریخ طبری/ ج ۲، ص ۱۴۹۔ ابن اثیر/ ج ۱، ص ۳۰۰، ۳۱۰ و ۳۱۱

۲۴۔ القرآن، سورۃ التکویر، آیات ۸، ۹۔

۲۴/ الف۔ دیوان الحماسہ، (ابواب حماسہ، مراثی ونسیب بر مواقع کثیرہ) محمد الخضری، محاضرات التاریخ الاسلامیہ مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر (اشاعت سوم)/ ج ۱، ص ۶۶ و ۶۷۔ جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، مطبوعہ دار الہلال، مصر، ۱۹۵۸ء/ ج ۱، ص ۵۴۔ فجر الاسلام/ ص ۸، ۹۔ History of the Arabs, PP 25.27 (مزید تفصیل کے لئے شب ظلمت (عرب قبل از اسلام) السیر، شمارہ ۹، ص ۳۵ تا ۱۰۰ سے رجوع کیجئے۔

۲۵۔ تفصیلی حوالہ جات کے لیے اس سلسلہ مضامین کے مقالہ اول شب ظلمت (عرب قبل از اسلام) سے رجوع کیجئے۔ نیز سیرۃ النبی ﷺ/ ج ۴، ص ۳۰۰ تا ۳۰۹)

۲۔ بعثتِ نبوی ﷺ اور خفیہ تبلغ

۱۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۲۴۔

۲۔ سورۃ طٰہٰ، آیت ۱۰۱

۳۔ شبلی نعمانی، الکلام مطبوعہ مسعود پبلشنگ ہاؤس، کراچی ۱۹۶۴ء/ ص ۳۳۷ تا ۳۳۸

۴۔ حجۃ اللہ البالغہ/ ج۱،ص۸۴، ۸۶۔ سیرۃ النبی/ ج۴،ص۳۲، ۳۵

۵۔ سیرۃ النبی ﷺ/ ج۴،ص۲۷۔ سورۂ جمعہ، آیت۲۔ سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۱۰

۶۔ سیرۃ النبی ﷺ/ ج۴،ص۷۶، ۸۲

۷۔ سیرۃ النبی ﷺ/ ج۴،ص۸۹، ۹۲

۸۔ بخاری/ ج۱،ص۲۔ مسلم/ ج۱،ص۸۸۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۵۳۔ ابن سعد/ ج۱،ص۱۹۴۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۰۵۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۲بعد۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص۷۶، ۷۷

۹۔ ایضاً

۱۰۔ بخاری/ ج۱،ص۳، ۲۰۳، ۷۳۹، ۷۴۰۔ مسلم/ ج۱،ص۸۸۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۵۳، ۱۵۴، ابن سعد/ ج۱،ص۱۹۶، ۱۹۸، ابن کثیر/ ج۳،ص۱، ۴۔

۱۱۔ بخاری/ ج۱،ص۳۔ مسلم/ ج۱،ص۸۸۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۵۶۔ سہیلی/ ج۱،ص۱۵۶۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص۷۹، ۸۰

۱۲۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۵

۱۳۔ سورۃ القدر، آیت ۱

۱۴۔ بخاری/ ج۱،ص۲۷۲، ابن کثیر/ ج۳،ص۳۔ جاراللہ زمخشری تفسیر الکشاف/ ج۴،ص۷۸۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۶۶ھ

۱۵۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۶۲۔ سہیلی/ ج۱،ص۱۶۲۔ طبری/ ج۲،ص۳۰۷۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۳۴۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۱۷

۱۶۔ سورۃ المدثر، آیت ۱، ۷

۱۷۔ بخاری/ ج۱،ص۳۔ مسلم/ ج۱،ص۹۰۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۰۸ و ۱۰۹۔ طبری/ ج۲،ص۳۰۶۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۱۶ و ۱۷۔ امام رازی، التفسیر الکبیر/ ج۳۰،ص۱۸۹، ۱۹۵۔

۱۸۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۶۸۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۱۶۔ ابن اثیر/ ج۲،ص۳۸ و ۳۹۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۳۷۔ سیرۃ النبی/ ج۱،ص۲۰۹۔ سہیلی/ ج۱،ص۱۶۲

۱۹۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۶۳، ۱۶۸۔ حضرت ابوبکر صدیق کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے پر ہم نے اپنی کتاب الصدیق میں تفصیل سے گفتگو کی ہے یہاں اس بحث سے قطع نظر کیا گیا ہے۔

۲۰۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۶۹۔ سہیلی/ ج۱،ص۱۶۹۔ ابن کثیر/ ج۳،ص۳۷۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص۸۵

۲۱۔ ابن ہشام/ ج۱،ص۱۶۸۔ سہیلی/ ج۱،ص۱۶۸۔ بلاذری/ ج۱،ص۱۱۸، ۱۲۸۔ سیرۃ النبی ﷺ/ ج۱،ص۲۱۳۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۸۴ و ۸۶